The Challenges Confronting *Sīrah*-Writing in Modern Times: An Appraisal

Syed Aziz ur Rehman[*]

ABSTRACT

Sīrah is considered one of the most important branches of Islamic studies. The literature on the subject is rapidly expanding in various languages including English, Urdu, Arabic, Turkish, Bangla etc. After evolution of almost fourteen hundred years, *sīrah*-writing has reached its zenith in modern times in terms of quantity and diversity of topics covered under the genre. Universities in Pakistan tremendously contribute to teaching and research on the *sīrah*. They hold specialised lectures, discussions, and conferences on the *sīrah*; publish books and journals in this field, and establish many specialised libraries of *sīrah* studies. Besides journals dedicated to *sīrah* studies, a large number of articles appear in the journals relating to the field of Islamic studies. At a conservative estimate, more than one hundred theses were produced in last two decades at M. A., M. Phil.

[*] Incharge, Regional Dawah Center, Sindh, Dawah Academy, International Islamic University, Islamabad. (syed.azizurrahman@gmail.com)

and Ph. D. levels in *sīrah* studies. In this situation, it becomes inevitable not only to reflect upon the quality of the work produced in the field of the *sīrah*, but also point out the dimensions, which need further attention of the scholars. Against this backdrop, this article attempts to highlight the challenges confronting *sīrah*-writing in modern times.

جدید سیرت نگاری اور اس کو درپیش تحدیات

سید عزیز الرحمٰن ۞

سیرت اور فن سیرت ایک بڑا اور مقدس موضوع ہے اور اپنی تمام جہتوں کے ساتھ اس وقت اسلامی موضوعات میں اہم ترین موضوع شمار ہوتا ہے۔ انگریزی، اردو، عربی اور دیگر مسلم اکثریتی زبانوں، ترک، فارسی، بنگلہ وغیرہ میں سیرت طیبہ پر ہونے والا کام مسلسل سامنے آرہا ہے۔ دنیا بھر میں کسی بھی مذہبی رہ نما اور فکری شخصیت پر لکھی جانے والی کتب میں سیرت طیبہ کا عنوان ہر اعتبار سے سرفہرست ہے۔

جدید سیرت نگاری کم و بیش چودہ صدی کا سفر طے کرکے جس مقام پر کھڑی ہے، وہ کمیت اور تنوع کے اعتبار سے اس کی تاریخ کا عروج ہے۔ آج ہماری جامعات میں سیرت طیبہ کی تدریس، اعلیٰ تعلیمی اسناد کے حصول کے لیے تعلیم و تحقیق، دروس سیرت کی نشستیں، عمومی مجالس سیرت (مذاکرے، کانفرنسیں)، کتب کی اشاعت و خریداری، نمائش کتب سیرت کے ساتھ ساتھ خصوصیت سے پاکستان میں گزشتہ دو تین عشروں میں کئی ایک لائبریریاں ایسی قائم ہوئیں، جنھوں نے اپنا تخصص ہی کتب سیرت قرار دیا۔ خاص مطالعۂ سیرت کے حوالے سے متعدد مجلات سیرت کا اجرا ہوا۔ گو سب کا معیار ایک جیسا نہیں رہا، ایک دو جاری ہو کر بند ہی ہوگئے، مگر اس نوعیت کی کاوشیں ابھی جاری ہیں۔ حال ہی میں علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی کی جانب سے **سیرت سٹڈیز** کا اجرا اس سلسلے کا نمایاں قدم ہے۔ **ششماہی السیرۃ عالمی** کے بعد تحقیقی دنیا میں یہ دوسرا مجلۂ سیرت ہے۔ مختلف علمی و تحقیقی مجلات کے سیرت نمبر اس کے علاوہ ہیں۔ اہم بات یہ ہے کہ خاص علمی و تحقیقی مجلات کے ہاں اسی ذوق سے سیرت نمبروں کی اشاعت کی روایت بھی توانا ہو رہی ہے۔

ایک محتاط اندازے کے مطابق گزشتہ دو عشروں میں پاکستانی جامعات سے ایم اے، ایم فل اور پی ایچ ڈی کی سطح پر سو سے زائد مقالات تحریر کیے جاچکے ہیں۔[۱]

۞ نگران ریجنل دعوۃ سینٹر، سندھ کراچی، دعوۃ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی، اسلام آباد۔
(syed.azizurrahman@gmail.com)

۱۔ یہ بہ جائے خود ایک خدمت ہوگی کہ ان مقالات کی فہرست مرتب کردی جائے۔ اگر توضیحی فہرست مرتب ہوسکے تو افادیت مزید بڑھ سکتی ہے۔

ان حالات میں ہمارے لیے انتہائی ناگزیر ہو گیا ہے کہ سیرت نگاری کے حوالے سے ہونے والے کام کا جائزہ بھی لیا جائے، اور کمیت سے قطع نظر ان مقالات و کتب کی حیثیت متعین کی جائے۔ نیز ان جہات اور ابعاد کی نشان دہی کی جائے جن میں خاص طور پر کام کی ضرورت تا حال باقی ہے۔ یہ سوالات جب زیر بحث آئیں گے تو از خود ان امکانات و تحدیات کی نشان دہی بھی ممکن ہو گی، جو آج کے عہد میں سیرت نگاری کو درپیش ہیں۔ ان سطور میں یہی سوالات زیر غور لانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

فن سیرت آج سے نہیں بلکہ روز اول سے بہ طور فن اپنی ایک جداگانہ شناخت رکھتا ہے۔ اس کے قواعد و ضوابط، اصول و آداب دوسرے فنون سے ممتاز و نمایاں ہیں، اور اس حوالے سے کچھ نہ کچھ لکھا بھی گیا ہے۔ خاص طور پر بر عظیم پاک و ہند کے بڑے سیرت نگاروں نے اس موضوع پر قلم اٹھایا ہے، اور آداب تحریر اور اصول و ضوابط پر اپنی نگارشات پیش کی ہیں۔ کچھ حضرات نے اس سلسلے میں اپنی کتاب سیرت کا منہج تحریر پیش کرتے ہوئے جن اصول و ضوابط کا ذکر کیا ہے، وہ بھی اصول سیرت نگاری کے حوالے سے ہمیں رہ نما خطوط فراہم کرتے ہیں۔[۲] لیکن یہ فن مسلسل آگے کی جانب سفر کر رہا ہے، اور اس طرف رجوع اور اس سے اعتنا بھی مسلسل بڑھ رہا ہے، فللہ الحمد ان حالات میں دو سوالات ہمارے سامنے آتے ہیں:

۱– کیا اس حوالے سے موجود تمام لٹریچر مستند ہے؟

۲– اور کیا سیرت نگاری کے مقاصد اس لٹریچر سے حاصل ہو رہے ہیں، یا اس ضمن میں ابھی مزید کام کی ضرورت باقی ہے؟

ان سوالات کے جواب کے لیے پہلے اختصار کے ساتھ ہمیں اس امر کا بھی جائزہ لینا چاہیے کہ سیرت نگاری کے مقاصد کیا ہو سکتے ہیں؟

مقاصد سیرت ایک بڑا موضوع ہے، ساری سیرت نگاری اس کے گرد گھومتی ہے۔ مگر عجیب بات ہے کہ اس حوالے سے بھی واضح تحریریں خال خال ہی ملتی ہیں، اردو میں وہ بھی نہیں۔ مطالعۂ سیرت کی ضرورت و اہمیت

۲– اس سلسلے میں علامہ شبلی نعمانی کی **سیرۃ النبی** اور علامہ عبد الرؤف داناپوری کی **اصح السیر** کے مقدمے اور ڈاکٹر محمد یاسین مظہر صدیقی کے چند مضامین پیش نظر رہنے چاہییں، جن میں بہ راہ راست یا ضمناً انھوں نے اصول سیرت کی جانب اشارے کیے ہیں۔

کے حوالے سے البتہ ضرور لکھا گیا ہے، اسی میں ضمناً یہ عنوان بھی بیان ہو جاتا ہے۔ اس حوالے سے اردو میں چند تحریروں کے ساتھ چند عربی تحریریں بھی موجود ہیں، مگر ان کا زیادہ حصہ بھی تنقید سے مبرا نہیں۔ (۳)

سیرت نگاری کے مقاصد

غور کیا جائے تو سیرت نگاری کے مقاصد ہماری نظر میں ان نکات کی روشنی میں دیکھے جا سکتے ہیں:

۱۔ **معرفت نبوی:** رسول اللہ ﷺ کی معرفت ایمان کا بنیادی تقاضا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے تو عجیب جملہ کہا ہے کہ میں اللہ کو اس لیے رب مانتا ہوں کہ وہ "رب محمد است"۔ (۴) یہ بہ جائے خود ایک مقصد ہے، اس کے کلامی پہلوؤں اور ضرورتوں سے قطع نظر مطالعۂ سیرت اس معرفت کی ضرورت کی تکمیل کرتا ہے۔ اس لیے ایسا اسلوب اختیار کرنا جو قارئین سیرت کو ذات رسالت مآب ﷺ سے حقیقی معنی میں روشناس کرائے اور آپ ﷺ کی معرفت عطا ہو، مقاصد سیرت نگاری میں سر فہرست ہے۔

۲۔ **ذات رسالت مآب ﷺ سے عقیدت و احترام کا اظہار:** یہ تعلق کسی مسلمان کے لیے تو کوئی پوشیدہ امر نہیں، انصاف پسند غیر مسلموں کے لیے بھی آپ ﷺ کی ذات مبارکہ عقیدت کا محور اور احترام کا مرکز ہے۔ آپ ﷺ کی عنایات سے انسانیت جس درجے میں متمتع و مستفید ہوئی ہے، وہ کسی باخبر اور ذی شعور سے پوشیدہ نہیں، اس لیے غیر مسلم سیرت نگار بھی یہ کہنے پر مجبور ہوئے کہ ہم سیرت نگاروں کی صف میں جگہ پانا چاہتے ہیں کہ یہ امر باعث اعزاز ہے۔ (۵) چناں چہ اس مقصد کے محترم و مقدس اور عالی ہونے میں کسی کو شک اور تردد نہیں ہو سکتا، لیکن بات یہاں تک محدود نہیں ہے۔

۳۔ چناں چہ یہ چند کتب و مضامین اس حوالے سے معاصر ادب میں قابل استفادہ ہیں۔ مجموعۂ مقالات **المؤتمر الدولي الأول للسيرة النبوية** (خرطوم: جامعة إفريقيا العالمية، ۲۰۱۳ء)؛ محمد بن صامل السلمی، **السيرة النبويه:** اهميتها، اقسامها، مقاصد دراستها (بیروت: دار ابن الجوزی، س،ن)؛ محمد جلال القصاص، **مفاهيم اساسية لدراسة السيرة النبوية**، راجعه وصوبه: محمد صامل السلمی (مکہ: جامعہ ام القریٰ، س،ن)؛ یحییٰ ابراہیم یحییٰ، **لماذا ندرس السيرة**۔

۴۔ مجدد الف ثانی، **مبدا و معاد**، ترجمہ: سید زوار حسین شاہ (کراچی: زوار اکیڈمی پبلی کیشنز، س ن)۔

۵۔ چناں چہ مشہور مستشرق مارگیولتھ کا جملہ معروف ہے:

The biographers of the prophet Mohammed form a long series which it is impossible to end but in which it would be honourable to find a place. (D. S.

۳– اس عنوان کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ سیرت طیبہ ایک زندہ موضوع ہے۔ قرآن حکیم نے **لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ**[۶] فرما کر اس جانب اشارہ فرمایا کہ اسوۂ حسنہ سے رہ نمائی نسل انسانی کے لیے قیامت تک کا وظیفہ ہے، یہ سیرت طیبہ کا ایک اہم پہلو ہے، یہ کوئی دو چار گھڑی کی بات نہیں۔ اس لیے قیام قیامت تک پیش آنے والے مسائل کا حل اسوۂ حسنہ کی روشنی میں ڈھونڈنا ہمارے لیے لازم ٹھہرا، سو یہ استفادہ قیامت تک جاری رہے گا۔ اسے سیرت طیبہ کے اطلاقی پہلو کا عنوان بھی دیا جاتا ہے۔ سیرت نگاری کا یہ اہم ترین مقصد ہے۔ حالات کے تبدیل ہونے سے مباحث سیرت تو تبدیل نہیں ہوں گے، مگر ان کے اطلاق کا پہلو اور جہات ضرور وقت کے ساتھ ساتھ بدلتی رہیں گی۔ یعنی ہماری ضرورتیں اور ہمارے مسائل نئے ہو سکتے ہیں، اسوۂ حسنہ کے عطا فرمودہ اصول و ضوابط وہی رہیں گے۔ اطلاقی پہلو یہ ہے کہ ہمارے روز مرہ کے، ہمارے گلی کوچوں کے، ہماری معاشرت و خاندان کے، ہماری سیاست و معیشت کے اور ہمارے داخلی و خارجی مسائل کیا کیا ہیں؟ یہ جاننا اور ان کا حل تلاش کرنا۔ اس مقصد کو پیش نظر رکھ کر ہر عہد میں سیرت نگاری ہوئی ہے، مگر آج اس کی جانب توجہ اور اس اسلوب کا رجحان خاصا پختہ نظر آرہا ہے۔ یہ ایک مقصد ہے، اور یہ مقصد ہمیشہ موجود رہے گا۔ قریب کے عہد میں فقہ السیرۃ اور دروس و عبر کے عنوانات سے عربی میں سامنے آنے والی کتب سیرت اس حوالے سے اہم بنیاد فراہم کرتی ہیں۔ ایک فرق کے ساتھ: اس نوعیت کی اکثر کتب میں استخراج نتائج پر تو زور دیا گیا ہے، مگر واقعات سیرت کے بارے میں روایت و درایت کے پہلو زیادہ توجہ حاصل نہیں کر سکے۔

۴– مگر یہ مطالعہ اس ضرورت کی جانب توجہ کرتا ہے کہ خود ان مقاصد کے حصول کے لیے سیرت کے بنیادی لوازمے تک پہنچنا ناگزیر ہے اور اس تک پہنچنے کے لیے یہ جاننا لازم ہے کہ بنیادی مصادر سیرت کیا کیا ہیں؟ اور کہاں کہاں؟ کن کن عنوانات کے تحت مباحث سیرت موجود و محفوظ ہیں؟ یہ ایک اہم مقصد ہے، اور محدود سیرت نگاروں کی دل چسپی کا ہمیشہ سے محور رہنے کے باوجود اس جانب مزید توجہ کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔

Margoliouth, *Mohammed and the Rise of Islam* (London/New York: G. P. Putnam's Sons, 1905), iii.

۶– القرآن ۳۳: ۲۱۔

۵- بنیادی مصادر سیرت کے تعارف اور ان کی توضیحی فہارس کے ساتھ ساتھ اس نوعیت کے مزید مصادر کی دریافت کے لیے مسلسل کاوش جاری رکھنا اور دریافت شدہ موضوعات کو آج کے مروجہ اسالیب اور رجحانات کے مطابق قابل استفادہ اور قابل اشاعت بنانا، یہ غالباً سب سے اہم اور سب سے مشکل کام ہے۔ محنت اور دقت نظر کے اعتبار سے بھی اور پذیرائی کے اعتبار سے بھی، کیوں کہ اس نوعیت کی کتب حد درجہ محنت چاہتی ہیں۔ ایسے جفاکش رجال کار، پھر کام کی تیاری، اور اشاعت، اور ان سے استفادہ کرنے والے سب ہی ہمارے ماحول میں انتہائی کم ہیں، نہ ہونے کے برابر۔

اس بنیادی لوازمے سے مراد ہے ذات رسالت مآب ﷺ سے وابستہ ہر طرح کی معلومات۔ یہ معلومات، کتب تفسیر، کتب، نعت و ادب، کتب انساب و رجال، کتب تاریخ و طبقات (ان میں تواریخ مکہ و مدینہ بھی شامل ہیں) اور کتب حدیث وغیرہ میں پائی جاتی ہیں۔ ان عنوانات کے تحت ابتدائی تین صدی کی کتب کی تعداد سو سے زائد ہے، جن میں سے کئی درجن کتب آج ہمارے درمیان شائع شدہ موجود ہیں، مگر عام طور پر سیرت نگاروں کے ہاں ان کے حوالے نہیں ملتے۔ اس کا سبب ان کتب کی عدم فراہمی بھی ہے، اور شاید روایتی انداز سے لکھنے والوں کی عدم دل چسپی اور تساہل بھی۔ (یاد رہے کہ ان عنوانات کے تحت صرف وہ کتب مراد ہیں جن میں کسی بھی پہلو سے تھوڑا یا زیادہ موادِ سیرت موجود ہے۔ بعض کتب ایسی بھی ہیں، جو ان عنوانات کے ذیل میں آنے کے باوجود مباحث سیرت سے تہی ہیں، اس لیے ہماری اس بحث سے خارج ہیں)۔

۶- **دعوتی مقاصد کے تحت سیرتی تحریروں کا اہتمام:** یہ پہلو دو واضح جہات پر منقسم ہے:

الف) خاص اس مسلم طبقے کو پیش نظر رکھ کر دعوتی لٹریچر کی تیاری، جو مسلمان تو ہے، مگر فکری یا عملی یا دونوں طرح کی ایسی کم زوریوں میں مبتلا ہے، جو مسلم معاشرے کو زیب بھی نہیں دیتیں اور جو خود اس طبقے کی دنیاوی اور اخروی زندگی کے لیے نہایت مضر ہیں۔

ب) غیر مسلموں کو، ان کی سطح پر ان کے خیالات اور افکار کے تناظر میں، ان کی طرز حیات کو پیش نظر رکھ کر دعوت دینا، جو ان کے افکار بھی اصلاح کر سکے، اور ان کے طرز حیات میں موجود خامیوں کو بھی دور کر سکے۔ نیز ایسے لٹریچر کی تیاری جو ان غیر مسلموں کو رسول اللہ ﷺ کی ذات سے گزار کر خالق تک لے جا سکے۔

ان دونوں طبقوں کی نفسیات، کم زوریوں اور ضرورتوں کو پیش نظر رکھ کر عصری اسلوب میں سیرتی لٹریچر تیار کرنا، ایک اہم مقصد ہے۔

۷۔ آج کے حالات اور آج کے تقاضوں کو پوری طرح سمجھ کر ایسا لٹریچر تیار کرنا، جو آج کی انسانیت کے لیے رہ نما خطوط متعین کر سکے۔

۸۔ اب تک ہمارے سامنے موجود سیرتی لٹریچر کا فنی جائزہ موجود نہیں، تاکہ یہ علم ہو سکے کہ فن سیرت نگاری کے چودہ صدی کے سفر نے ہمیں کس کس حوالے سے باثروت کیا، اور کن کن پہلوؤں سے اہل سیر کی روش اصلاح طلب رہی۔ یہ جائزہ عہد جدید میں سیرت نگاری کے حوالے سے ہمارے مقاصد کی تکمیل کے لیے بھی رہ نمائی کر سکتا ہے، اور اصول سیرت نگاری کے لیے بھی رہ نما خطوط فراہم کرنے میں معاون ثابت ہو سکتا ہے۔

ان مقاصد سے ایک بات یہ بھی واضح ہو جاتی ہے کہ اب تک سیرت طیبہ کے کسی بھی حوالے سے سامنے آنے والا لٹریچر، اپنی معنویت، ظاہری حسن، تنوع، کیفیت و کمیت، ہر لحاظ سے قابل قدر ہونے کے باوجود قابل اطمینان ہر گز نہیں کہ یہ بیان شدہ مقاصد ابھی تک تشنۂ تکمیل ہیں۔

یہ حقیقت ہے کہ سیرتی لٹریچر کا بڑا حصہ محض عقیدت کے اظہار کے لیے لکھا گیا ہے، اور اس کا بڑا حصہ علمی تقاضوں کے ادنیٰ درجے پر بھی پورا نہیں اترتا۔ یہ لمحۂ فکریہ ہے۔

اس جائزے میں یہ بھی پیش کرنا ضروری ہو گا کہ موجود لٹریچر میں عمومی مطالعے کے لیے فلاں فلاں کتب مفید ہیں، عوامی نقطۂ نظر سے ان ان کتب کا مطالعہ مفید ہو گا؛ اہل علم کے لیے، طلبہ کے لیے فلاں فلاں کتب میں مواد موجود ہے، اور اہل تحقیق فلاں فلاں کتب سے استفادہ کر سکتے ہیں، نیز یہ کہ ان کتب مذکورہ میں فرداً فرداً یہ وضاحت بھی ہو جائے کہ فلاں فلاں پہلو تحقیق طلب ہیں، مطالعے میں یہ ضرور پیش نظر رہنے چاہییں، نیز اسلوب اور ہیئت کے اعتبار سے کن کن کتب نے سیرتی لٹریچر میں وقیع اضافہ کیا ہے، وغیرہ۔ یہ تمام جہات اس مطالعے کا ناگزیر حصہ ہونی چاہییں۔

سیرت اور فن سیرت کے حوالے سے یہ بحث اس لیے بھی ضروری ہے کہ ہم ابھی تک اس منزل پر نہیں پہنچ سکے، جہاں اصول سیرت مکمل طور پر منقح ہو کر سامنے آ جائیں، اور ایک عام شخص کے لیے بھی سیرتی لٹریچر

کو ان اصول وضوابط کی روشنی میں پرکھنا ممکن ہوسکے۔ اس لیے ان مباحث کو وقفے وقفے سے اٹھانا اور سیرت نگاری کے لیے موجودہ ذخیرے کو پیش نظر رکھ کر نئی راہیں تلاش کرنا نہایت ضروری ہے۔

سیرت نگاری کو درپیش تحدیات

جدید سیرت نگاری کے کئی ایک رنگ ہیں۔ زبان کے اعتبار سے بھی اس میں فرق ہے، علاقائی آہنگ بھی اسے دوسروں سے نمایاں اور ممتاز کرتا ہے، لکھنے والوں کا ذوق بھی وجۂ امتیاز ہے، وغیرہ۔ جدید تحدیات پر بات کرتے ہوئے ان امور کو بھی پیش نظر رکھنا ناگزیر امر ہے۔ ہم ذیل میں ان تحدیات کے بعض پہلوؤں پر قدرے اختصار سے بات کرنا چاہتے ہیں۔

۱۔ سب سے اہم سوال، جو جدید سیرت نگار کو درپیش ہے، وہ ایک ایسے منہج کی ضرورت ہے جو پوری سیرت نگاری کو ایک ضابطہ بھی دے سکے، اور جس کی روشنی میں درست اور غیر درست، صحیح اور غیر صحیح، اور اعلیٰ و ادنیٰ کی پرکھ بھی ممکن ہوسکے۔ اس کے لیے لازم ہے کہ اصول سیرت نگاری مرتب و منقح ہوکر سامنے آسکیں۔ بدقسمتی سے یہ کمی عرصے سے چلی آرہی ہے۔ اور چند ایک بزرگوں کی متفرق کاوشوں کے باوصف یہ پہلو نہایت تشنہ ہے۔[۷]

اردو ذخیرۂ ادب ہی کی اگر بات کی جائے تو علامہ شبلی اور علامہ داناپوری نے اپنی کتب میں آغاز ہی میں سیرت نگاری کے اصول اور روایت پر خاصی مفید گفت گو کی ہے۔ یہ ابحاث اس درجے کے ہیں کہ انھیں اس نوعیت کی ہر کاوش کی بنیاد بنایا جاسکتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ یہ تحریریں آج تک حوالے کا درجۂ استناد رکھتی ہیں۔ **سیرۃ النبی ﷺ** کی جلد اول میں علامہ شبلی نعمانی نے اپنے مقدمے میں جہاں اپنی کتاب کی تحریر کی ضرورت پر کلام کیا ہے، وہیں کلامی پہلو سے مطالعۂ سیرت کی ضرورت و اہمیت بھی بیان کی ہے؛ اور سابقہ ذخیرۂ سیرت کا، اس وقت تک کی معلومات کے مطابق عمدہ تعارف بھی ذکر کیا ہے۔ مگر سو برس قبل کا یہ کام بھی آج توجہ چاہتا ہے۔ آج کی معلومات الحمدللہ اس سے کہیں زیادہ ہیں، علامہ شبلی نے قدما کے ذخیرۂ سیرت کے ساتھ ساتھ زمانۂ نبوت کی تحریروں کا بھی اشاریہ مرتب کیا ہے، اور سیرتی لٹریچر کی ابتدا کے حوالے سے معلومات فراہم کی ہیں، جن میں ایک آدھ کے سوا سب ہی باتیں قابل

۷۔ ایک دو کتب میں یہ دعویٰ ضرور کیا گیا، مگر شاید لکھنے والوں کے ذہن میں اصول سیرت کی ہی وضاحت موجود نہیں تھی۔ نتیجہ یہ کہ جو کچھ لکھا گیا وہ کم از کم اصول کے ذیل میں نہیں آتا۔

توجہ اور امر واقعی کے مطابق ہیں۔[۸] اس مقدمے کا سب سے قیمتی حصہ وہ ہے، جہاں علامہ شبلی نے روایات کے تعارض پر بات کی ہے، ان کے استناد کے ضابطوں پر روشنی ڈالی ہے، روایت و درایت کے اصول بیان کیے ہیں؛ یہاں بھی چند باتیں ضرور محل نظر ہیں۔[۹] مگر یہ بحث خاصے کی چیز ہے، اور اصول سیرت کی کسی بھی بحث کو مضبوط بنیاد فراہم کرتی ہے۔ اور الفضل للمتقدم کے مصداق علامہ شبلی کا یہ تقدم بھی اس بحث کو ان کی اولیات کا درجہ دیتا ہے۔[۱۰]

علامہ شبلی کے بعد مولانا حکیم عبد الرؤف داناپوری نے اپنی کتاب **اصح السیر** کے آغاز میں یہ مباحث اٹھائے ہیں۔ انھوں نے بھی اس نوعیت کی چند باتیں دہرا کر سیرت نگاری کی راہ کے چند مسائل اور اپنا منہج بیان کیا ہے۔ اچھی بات یہ ہے کہ انھوں نے اپنا موقف دلائل اور امثلہ کے ساتھ پیش کیا ہے۔ یہ بحث بھی دل چسپ اور اس موضوع کی اساسیات کے لیے مفید ہے۔[۱۱]

ان دو تحریروں کے علاوہ بھی چند تحریریں ایسی موجود ہیں، جن میں اصول سیرت بیان ہوئے ہیں، یا ان سے اس ضمن میں مدد مل سکتی ہے۔[۱۲]

۲– دوسرا چیلنج موضوعات سیرت کے حوالے سے درپیش ہے؛ ایسے موضوعات، جو مروجہ لگے بندھے، اور بار بار دہرائے جانے والے عنوانات سے ہٹ کر ہوں، اور آج کی ضرورتوں کا احاطہ کرتے ہوں؛ جن کی افادیت ہو، اور جن کی طلب ہمارے ارد گرد موجود ہو۔

۳– تیسرا چیلنج اسلوب کے دائرے کا ہے۔ یہ ایک بڑا عنوان ہے؛ سردست اسلوب کی فنی تعریف میں جانا مقصود نہیں۔ اس حوالے سے جدید سیرت نگاری کو درپیش چیلنج یہ ہے کہ آج کے عہد میں مناسب اور

۸– ان کی وہ باتیں جن پر اشکالات ہوسکتے ہیں، مغازی اور مغازی کے رواۃ سے تعلق رکھتی ہیں، خصوصاً امام سیرت واقدی پر علامہ شبلی کی تنقید درست نہیں اور حقائق کے خلاف ہے۔ مگر یہ الگ موضوع ہے، اور اس پر لکھا بھی گیا ہے۔

۹– مثلاً ہر صورت میں روایت حدیث کو روایت سیرت پر ترجیح۔

۱۰– ملاحظہ کیجیے: علامہ شبلی نعمانی، **سیرۃ النبی**، جلد اول، کسی بھی اشاعت کا ابتدائی حصہ۔

۱۱– داناپوری، **اصح السیر** (کراچی: مجلس نشریات اسلام، ۲۰۰۴ء)، مقدمہ، کل ۴۴ صفحات۔

۱۲– مثلاً محمد یٰسین مظہر صدیقی، ”سیرت نگاری کا صحیح منہج“، مشمولہ: عبد الرؤف ظفر (مرتب)، **مقالات سیرت نبوی**، حصہ اوّل (بہاول پور: اسلامیہ یونی ورسٹی بہاول پور، ۲۰۰۵ء)؛ اکرم ضیاالعمری، **السیرۃ النبویۃ الصحیحۃ**، مقدمہ۔ یہ کتاب **سیرت رحمت عالم** کے نام سے نشریات، لاہور سے اردو میں شائع ہوچکی ہے۔

مفید اسلوب سیرت نگاری کیا ہو سکتا ہے؟ یہ بات درست ہے کہ سیرت نگاری کے لیے ایک اسلوب کافی نہیں ہے۔ اسلوب ویسے بھی ذوقی چیز ہے، اور انسان کا ذوق خود انسانوں کی تعداد کے مطابق تنوع اور پھیلاؤ رکھتا ہے۔ اس لیے عمومی بیان تو یہی ہو گا کہ ہر پڑھنے والے کا ذوق اور پسند چوں کہ الگ ہے، اس لیے تمام ممکنہ اسالیب کو برتنا اور ہر انداز سے نگارشات سیرت پیش کرنا اہل سیرت کی ذمے داری ہے۔[۱۳] اس بحث کی عملی اہمیت یہ ہے کہ ہمارے ہاں لٹریچر کو مختلف طبقات فکر کے اعتبار سے اس اہتمام سے تقسیم نہیں کیا جا سکا، جس اہتمام سے دیگر ترقی یافتہ زبانوں میں یہ سہولت موجود ہے۔ مثلاً ہمارے ہاں بچوں کے حوالے سے گراں قدر کام ہوا ہے، مگر نوجوانوں کے لیے متعین شدہ لٹریچر خصوصاً مذہبی حوالے سے نہ ہونے کے برابر ہے؛ حال آں کہ اس کی ضرورت، امکانات اور اسالیب کے باہمی امتیاز کی اہمیت سے کسی ذی شعور کو انکار نہیں ہو سکتا۔ مثال کے طور پر نوجوان طبقے کے لیے لکھی جانے والی کتب سیرت میں یہ چند پہلو زیادہ پیش نظر رہنے چاہییں:

الف) نوجوانوں کے مسائل۔

ب) نوجوانی کے تقاضے اور ان کا جوش و جذبہ کیسے مفید سرگرمیوں میں استعمال کیا جا سکتا ہے؟ چناں چہ عفت و عصمت کی اہمیت جس قدر ایک نوجوان سمجھ سکتا ہے، شاید کوئی اور نہیں۔ اسے اعجاز سیرت کے عنوان کے تحت آگے پیش کیا جائے تو نوجوانوں کے لیے سیرت طیبہ کے اس انتہائی اہم پہلو کو سمجھنا آسان ہو گا اور ذات رسالت مآب ﷺ سے ان کی قلبی وابستگی میں اضافے کا باعث بھی، کہ کس ماحول میں کن کن سہولتوں کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے کس طرح اپنا دامن ہر طرح کی آلودگیوں سے محفوظ رکھا۔ اس طرح سیرت طیبہ میں رسول اللہ ﷺ نے جس طرح نوجوانوں پر اعتماد کیا، اور مختلف ذمے داریاں دے کر عہد نبوی میں انھیں متحرک کیا؛ یہ ہم سب کے لیے نہایت سبق آموز ہے۔

ج) نوجوانی میں جذباتی وابستگی کا عنصر فطرتاً دوسروں سے بڑھ کر ہوتا ہے۔ اس کیفیت کو اگر ذات رسالت مآب ﷺ سے منسلک کر دیا جائے تو اس کے نتائج نہایت مفید اور توقع سے

۱۳- اسالیب سیرت کی بحث کے لیے دیکھیے: محمود احمد غازی، **محاضرات سیرت** (لاہور: الفیصل، ۲۰۰۹ء)، ۶۵۱؛ سید عزیزالرحمٰن "اردو سیرت نگاری کے مناہج واسالیب"، **فکرونظر**، اسلام آباد، ۴۹: ۲-۳ (۲۰۱۱ء- ۲۰۱۲ء)، ۴۱-۸۴۔

بڑھ کر نکل سکتے ہیں؛ اور باقی پوری حیاتِ انسانی میں اوائل حیات میں نمو پذیر ہونے والا یہ جذبہ کام آتا ہے، اور حسنِ خاتمہ کا سبب بھی بن سکتا ہے، جو اصل مطلوب ہے۔ مگر یہ تمام اہداف ایسے اسلوب تحریر کا تقاضا کرتے ہیں، جن سے نوجوان مانوس بھی ہوں اور جو اسلوب درج بالا مقاصد کو اپنے اندر سمونے کی صلاحیت بھی رکھتا ہو۔

یہی صورت حال خواتین کے لیے لٹریچر کی ہے۔ اس دائرے کے اپنے تقاضے ہیں، مثلاً:

الف) **رحم و کرم:** خواتین کا خمیر نرمی، شفقت اور رحم و کرم سے اٹھا ہے۔ ان کی اس فطری خوبی کو اسلوب سیرت میں سمولینا آسان بھی ہے، مفید بھی۔

ب) **تربیت:** خواتین کی بنیادی ذمے داری تربیت اور پرورش ہے۔ یہ ایک جامع عنوان ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ایک تعارف بہ طور "رب" ہے۔ چیلنج یہ ہے کہ اس فطری ساختی صفت کو وسیع ترین مفہوم میں کیسے قارئین سیرت کے ذہن نشین کرایا جاسکتا ہے؟ اور ہم خواتین کے لیے مفید اسلوب میں سیرتی لٹریچر کیسے تیار کرسکتے ہیں؟

۴۔ چوتھا چیلنج ہیئت کے باب میں درپیش ہے۔ اسلوب اور ہیئت لغوی مفہوم میں تو قریب قریب ہوسکتے ہیں، مگر یہاں ہماری مراد تحریر سے ہٹ کر ایسے انداز ہیں، جو تحریر کا حصہ ہوں مگر روایتی بیانیہ انداز سے مختلف ہوں، یا اس سے آگے بڑھ کر مباحث سیرت کو ذہن نشین کرانے میں مفید و معاون ہوسکیں۔ مثال کے طور پر چارٹ، نقشے، گراف، جدول، خاکے، اسکیچ وغیرہ۔ اس ضمن میں کچھ کاوشیں ضرور سامنے آئی ہیں، اگرچہ اردو کا دامن ان کاوشوں سے تقریباً خالی ہے۔ اس لیے خالص فنی بنیادوں پر ایسی کاوشوں کی ضرورت ہے، جو میدان سیرت میں اس حوالے سے موجود خلا پر سکیں۔ یہ عنوان بھی رجال کار کا منتظر ہے۔

۵۔ سرقہ: کتب و مضامین میں سرقہ عروج پر ہے۔ اس عمومی فضا سے سیرت نگاری بھی محفوظ نہیں۔ یہ سرقہ دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

الف: عرفی سرقہ

ب: فنی اور تکنیکی سرقہ

عرفی سرقہ تو عام ہے۔ پورا مضمون، کتاب یا اس کا بڑا حصہ اپنے نام سے چھاپ لینا یا اپنی کتاب کا حصہ بنالینا۔

اس طرح ایک اور انداز یہ ہے کہ کسی کے مضمون کو بہ حوالہ اپنے مضمون کا حصہ بنالیا جائے۔ یہ امر بھی سرقہ ہی ہے، کیوں کہ پڑھنے والا یہ تصور کرتا ہے کہ لکھنے والے سے محض آخری چند سطور میں متمتع ہوا ہے؛ باقی تمام حوالے اس کی ذاتی کاوش کا نتیجہ ہیں، حقیقت میں ایسا نہیں ہوتا۔

فنی اور تکنیکی سرقے کی کئی ایک اقسام بیان کی جاسکتی ہیں۔ مثلاً دوسروں کی محنت سے اس انداز سے استفادہ کہ کسی اور کی تحریر کو دوبارہ تحریر (Rewrite) کرکے لفظی سرقے کی تہمت سے اپنے آپ کو محفوظ کرلیا جائے، وغیرہ۔ عمومی طور پر کتب سیرت میں بیان شدہ روایات میں تو جوہری اعتبار سے تبدیلی ممکن نہیں؛ مگر ان واقعات کو من وعن بیان کردینے کا کام تو عرصے سے جاری ہے، اس کو مسلسل دہراتے رہنے سے اب مزید کیا حاصل؟ اس لیے اصل ذمے داری ان روایات سے اخذ واستنباط کی ہے۔ یا پھر خود بیان شدہ روایات کے استناد کی ہے۔ استناد کی بحث سے یا نقد سیرت سے صرف یہی مراد نہیں کہ ان روایات کو لازماً کم زور ہی ثابت کیا جائے؛ بلکہ اگر پہلے سے کچھ روایات پر نقد موجود ہے، اور سیرت نگار کی دانست میں وہ نقد خود نقد کا متقاضی ہے، تب بھی کام کی ضرورت بہ ہر حال موجود ہے، اور اس ضرورت کی تکمیل ہمارا چیلنج ہے۔

۶۔ **مضامین ومباحث کا تنوع:** ہم یہ بات جانتے ہیں، اور مقاصد کی بحث میں اس کی جانب اشارہ بھی ہوچکا کہ سیرت نگاری کے مقاصد وسیع الجہات اور متنوع ہیں؛ نیز مطالعۂ سیرت کا اطلاقی پہلو تو انسانی مزاج، ضرورت، حوادث، مشکلات کی طرح نہایت غیر محدود ہے کہ اس کا تعلق ان ہی موضوعات سے ہے۔ اس لیے مقصدیت کے تحت لکھی جانے والی کتب ومقالات کے مضامین کبھی ختم نہیں ہوسکتے؛ ہر نیا سورج اس پہلو سے نئے موضوعات لے کر طلوع ہورہا ہے۔ جب کہ ہماری سیرت نگاری میں یہ پہلو موجود ہونے کے باوجود نامکمل بھی ہے، اور حد درجہ توجہ طلب بھی۔ جس رفتار سے ہمارے ہاں مجلات میں مقالات سیرت کا اضافہ ہورہا ہے، اور جس اہتمام سے مختصر دورانیے میں مسلسل سیرت مذاکرے اور کانفرنسیں منعقد ہورہی ہیں، اسی رفتار سے علمی تحریریں کم ہوتی جارہی ہیں۔ خال خال لکھنے والے ہیں، جو اپنی انتظامی دقتوں میں جکڑے ہوئے ہونے کے سبب خال خال ہی لکھ پاتے ہیں؛ اور خال خال

مجلات ہیں، جہاں کچھ نیا دیکھنے اور گاہے پڑھنے کو میسر آجاتا ہے۔ یہ پہلو نہایت توجہ طلب ہے، اور سنجیدہ سیرت نگاروں کے لیے چیلنج کی حیثیت رکھتا ہے۔

۷- **سیرت کی ماخذ شناسی:** ہر علمی مضمون کی تحریر سے قبل اس کے ماخذ جاننا ضروری ہوتا ہے۔ یہ منہج تحقیق کی بحث ہے، اور کسی نہ کسی درجے میں جامعات میں پڑھائی بھی جاتی ہے، مگر عام طور پر ہماری تحریروں میں، خصوصاً سیرتی ادب میں اس کے اثرات محسوس نہیں ہوتے، یا اس درجے میں محسوس نہیں ہوتے، جس درجے میں اس کی ضرورت ہے۔ اس کا بنیادی سبب مآخذ سیرت سے ہماری ناواقفیت ہے۔ اس کے بھی دو پہلو ہیں:

الف) ماخذ کی ضرورت و اہمیت سے ہی ناواقفیت ہے۔ اکثریت کو ہی علم نہیں کہ حوالہ ہوتا کیا ہے، دیا کیوں جاتا ہے، اور جس کتاب کا حوالہ دیا جارہا ہے، وہ کتاب حوالے کا درجہ بھی رکھتی ہے، یا نہیں۔ ہو یہ رہا ہے کہ جو اقتباس، جملہ، پیرا، صفحہ یا پورا باب جہاں سے سمجھ آیا، مفید مطلب محسوس ہوا، لے کر شامل کر لیا؛ ازراہ عنایت آخر میں اس کا حوالہ بھی درج کر دیا۔ ظاہر ہے کہ اس عمل کو کم از کم تحقیق تو نہیں کہا جا سکتا۔

ب) دوسرا سبب یہ ہے کہ خصوصاً مآخذ سیرت پر لکھی جانے والی تحریریں قدیم ہیں اور عرصے سے وہی تحریریں دہرائی جارہی ہیں۔ جب کہ گزشتہ تین چار دہائیوں میں خصوصاً مآخذ سیرت کے درجے کی کتب، جن کا تعلق ابتدائی تین چار صدیوں سے ہے، کثرت سے طبع ہو کر سامنے آچکی ہیں۔ ان کا تعارف ایک ضروری امر ہے، جس کے نہ ہونے کے سبب اس حوالے سے سیرت نگاروں کے ہاں ایک خلا نظر آتا ہے۔ وہ قدیم مآخذ کی نئی اشاعتوں سے واقف نہیں، اس لیے ان کے لیے ان کتب سے استفادہ بھی ممکن نہیں۔

ماخذ ہر کتاب نہیں بن سکتی؛ علمی تحریر میں حوالے کا استناد محدود ترین کتب کو حاصل ہو سکتا ہے، اور یہ ایک مکمل سائنس ہے۔ یہ چلن کہ میری کتاب کا حوالہ الف دے اور الف کی کتاب میں اپنی تحریر میں بہ طور حوالہ درج کر دوں، کوئی علمی خدمت نہیں، نہ فنی تحقیق سے ایسی تحریروں کا دور کا بھی واسطہ ہو سکتا ہے، لیکن یہ سب ہو رہا ہے، اور اسے روکنا اس لیے بھی ضروری ہے کہ یہیں سے سرقے کی

روایت پروان چڑھتی ہے، اور توانائی حاصل کرتی ہے۔ اجنبی تحریروں کو لے کر من و عن اپنی تحریر کا حصہ بنالینا، اور کہیں کہیں حوالہ بھی درج کردینا، سرقہ ہی ہے، بلکہ زیادہ خطرناک سرقہ ہے۔

۸۔ **قدیم مآخذ کا تعارف:** جدید سیرت نگاری میں نئی کتب کے حوالے جس قدر کثرت سے نظر آرہی ہے، اس تناسب سے اصل اور قدیم مآخذ سے اعتنا نظر نہیں آتا۔ بنیادی کتب چند ایک ہی ہیں، ان کے علاوہ خال خال ہی کوئی کتاب نظر آتی ہے۔ حتیٰ کہ امامین سیرت، ابن اسحاق اور واقدی، سے بھی مکمل استفادے کا رجحان خاصا کم زور ہے؛ اور ان سے قبل کے مصادر سے استفادہ تو کم زور سے بھی کم درجے کا ہے۔ اس ضمن میں بھی چند باتیں پیش نظر رہنی چاہییں۔

الف) ابتدائی ماخذ تین نوعیتوں کے ہیں۔ وہ مصادر جو سیرت کی معلومات رکھتے ہیں، خواہ وہ عرفی اعتبار سے کتب سیرت میں شامل ہوں یا نہیں۔ مثلاً کتب تاریخ، طبقات، رجال، انساب، ادب، بلاغت، حدیث اور تفسیر وغیرہ۔ ان کتب میں، خصوصاً ان عنوانات پر مشتمل ابتدائی تین صدی کی کتب میں بڑی تعداد میں لوازمۂ سیرت موجود ہے۔ اس پر کام کی بھی ضرورت ہے، اور اس ذخیرے سے واقفیت کی بھی۔

ب) کچھ مآخذ سیرت، جو تا حال دریافت نہیں ہوسکے، اب دیگر کتب سے مرتب کرکے شائع ہو رہے ہیں۔ اس کار خیر کا آغاز مغازی عروہ بن زبیر سے ہوا تھا، پھر موسی بن عقبہ اور ابن شہاب زہری کی کتب کے حوالے سے بھی ایسی کئی ایک کاوشیں سامنے آچکی ہیں۔ ان سے بھی واقعات سیرت کی تفصیلات جاننے میں مدد ملتی ہے۔

ج) قدیم مصادر سیرت و متعلقات سیرت میں سے گزشتہ تین چار عشروں میں دسیوں کتب شائع ہو کر سامنے آچکی ہیں۔ دل چسپ بات یہ ہے کہ ان میں سے اکثر کتب موضوعاتی ہیں، یعنی سیرت طیبہ کے کسی ایک پہلو پر لکھی گئی ہیں۔ مثلاً فضائل مکہ، وفات النبی، ترکۃ النبی، نسب نبوی، وغیرہ۔ یہ کتب شائع ہونے کے باوجود تا حال ہمارے اکثر سیرت نگاروں کے لیے اجنبی ہیں، جس کا کوئی بھی سبب ہوسکتا ہے، مگر ان سے استفادہ نہیں ہوپارہا۔ یہ قابل تشویش بھی ہے، اور جدید سیرت نگاری کے لیے ایک چیلنج بھی۔

۹۔ سیرت نگاری کو ایک اہم ترین چیلنج "صحیح سیرت نگاری" کے عنوان سے درپیش ہے۔ اس سے مراد ایسی روایات ہیں، جو درست ہوں، تاکہ غیر درست اور کم زور روایات سے بچا جاسکے۔ احتیاط کا تقاضا بھی

یہی ہے۔ مگر اس کا تعلق اصولِ سیرت نگاری سے ہے، اس لیے ہم یہاں الگ سے بات کرنا ضروری نہیں سمجھتے۔ (۱۴)

۱۰- آج کا انسان مختلف انداز سے سوچ رہا ہے۔ اسے "قیادت" کے عنوان پر عملی رہ نمائی درکار ہے؛ وہ "کام یاب زندگی" کے گر جاننا چاہتا ہے، وغیرہ۔ ان میں سے ہر ایک عنوان پر ذات رسالت مآب ﷺ نے عملی رہ نمائی اور فکری غذا چودہ صدی قبل ہی پیش فرما دی تھی۔ مگر ہمارا مسلمان تربیت کار بھی آج تک ان موضوعات پر روشنی کے لیے مغرب کی طرف ہی دیکھ رہا ہے۔ ان پہلوؤں پر جدید اسالیب میں لکھنے کی ضرورت ہے۔ اس کے لیے شرط یہ ہے کہ لکھنے والا ان موضوعات سے بھی واقف ہو، اور جدید اسالیب سے بھی، اور عوامی ضرورت بھی اس کے سامنے ہو۔ ایسے موضوعات کی کمی نہیں۔ ہر انسانی ضرورت ان موضوعات کے دائرے میں آتی ہے۔ اس لیے یہ بہت بڑا میدان ہے۔ مگر دور دور تک خلا ہی خلا ہے۔ (۱۵)

یہ چند نکات جدید سیرت نگاری کو لاحق تحدیات کے حوالے سے درج کیے گئے۔ یہ نکات اصل میں صلاے عام کا درجہ رکھتے ہیں؛ اہل علم کے سامنے یہ نکات بہ غرض اصلاح، حک و اضافہ اور توجہ پیش کیے جا رہے ہیں۔

وماتوفيقى إلا بالله وصلى الله على نبينا وعلى آله وصحبه أجمعين
ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين.

۱۴- البتہ اس حوالے سے راقم کا ارادہ علاحدہ سے لکھنے کا ہے۔ والله هو الموفق۔

۱۵- ان پہلوؤں پر چند مغربی اہل قلم کی تحریریں سامنے آئی ہیں۔ ایک دو عربی تحریریں بھی نظر سے گزری ہیں؛ مگر مسلم اہل قلم اصل موضوع کا حق ادا نہیں کر پاتے، اور اہل مغرب اسلام اور تعلیمات اسلام سے پوری طرح واقف نہیں ہوتے، نہ نصوص کی درجہ بندی سے ہی آگاہ ہوتے ہیں۔ اس لیے دونوں طرح کی تحریریں کم زور نظر آتی ہیں۔